خلیل رام پوری کی غزل کا فکر ی جمال

محمدشہزاد ساجد*، ڈاکٹر طارق ہاشمی**

Abstract:

"Khalil Rampuri is a prominent figure of modern Urdu Ghazal. There is simplicity in his poetry which is full of poetic colours. His poetry is based on reality rather than imagination. He is not disappointed with life. He has delivered a message of hope in his poetry and believes in human dignity. There is a sense of patriotism in his poetry. He has given a new style to modern Urdu Ghazal."

Keywords: Khalil Rampuri, Urdu Ghazal, Modern Urdu Ghazal, Urdu Poetry, Bhakkar, Urdu Poet, Charagh Pani Main.

جدید اردو غزل اپنے فکری ارتقا کے سلسلے میں جن بصیرت مند شعرا کی مرہونِ منت ہے،ان میں خلیل رام پوری کا نام بہت اہمیت کا حامل ہے۔ان کے کلام میں گردوپیش کے حالات و اقعات سےاثرپذیری بھی ہے اور ان کی ترجمانی کے فکری اسباب بھی۔اُن کا شمار جدیدنسل کے اُن شعرامیں ہوتا ہے جنہوں نے اپنے پیش رَو سخنوروں کے فکری ورثہ کو نئے دور کے شعری تقاضوں کے مطابق آگے بڑھایا اور غزل میں ایک نئے آہنگ کی تشکیل میں اپنا تخلیقی کردار ادا کیا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اُس کے فن کی جڑیں تو روایت میں ہیں لیکن اس میں پھول نیا آتا ہے۔ وہ جدت برائے جدت کے قائل نہیں ہیں بلکہ معنی آفرینی کے ساتھ اپنے بیانیے کو تروتازگی بخشتے ہیں۔ شکیب جلالی اُن کے طرزِ تخلیق پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

> "خلیل کا اپنا منفرداسٹائل ہے۔جس میں ایک طرح کی معصومیت اورالبیلا پن بہم ملتے ہیں۔اُس کی غزل گھمبیرتا،بوجھل پن اور الجھاؤ سے دامن کشاں ہے۔اُس کے لہجے میں دل موہ لینے والی ملائمت،شگفتگی اور سلاست ہے۔"(۱)

خلیل رام پوری کے کلام میں محبت کا آفاقی احساس ہوتا ہے۔ان کی غزل کے فکری جمال کے دیگر پہلوؤں پر گفتگو سے قبل ان کے وہ اشعار لائقِ ذکر ہیں جو انھوں نے شکیب جلالی کی وفات پر تعزیتی مشاعرہ میں پڑھی۔شکیب کے بھکر میں قیام کے دوران میں خلیل رام پوری کے ساتھ ان کے گہرے دوستانہ مراسم تھے۔ یہ غزل اس اعتبار سے اہم ہےکہ اس میں

---

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد
** ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

محض جذبات و احساسات کی عکاسی نہیں بلکہ ایک شاعر کی اداسی کی گمبھیرتا کی جامع تصویر نظر آتی ہے۔

رہتے ہوں کیوں بجھے
بجھےبولو توکچھ خلیل جی
کیسے کٹے گی اِس طرح سوچو
تو کچھ خلیل جی
تم ہی نہیں ہو غم کناں اور بھی
لوگ ہیں یہاں
ہوتا ہے ہاؤ ہُو سے کیا سوچو تو
کچھ خلیل جی
نوحہءِ خودکشی لکھوں، نوحہ ءِ
دوستی لکھوں
نوحہ ءِ شاعری لکھوں بولوتو
کچھ خلیل جی
یار تھا اِک چل بسا، بزمِ سخن
میں کیا رہا
اُس کی نشانیوں میں ہیں سمجھو
تو کچھ خلیل جی(۲)

خلیل رام پوری کی شاعری عشق وعاشقی کے لگے بندھے مضامین سے ہٹ کر ہے۔اُن کے ہاں خیال کی نُدرت اورمنفرد لب و لہجہ اُن کو شاعرانہ عظمت سے ہمکنار کرتا ہے۔ وہ اپنے گردوپیش اورماحول سے ہم آہنگ ہو کر شعر کہتے ہیں اورنہایت سادگی سے اپنی باطنی کیفیات کو شعری قالب میں ڈھالتے چلے جاتے ہیں۔اُن کے الفاظ بہت سادہ ہوتے ہیں اور اُن کی شاعری کے مطالعے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہماری روزمرہ زندگی کے واقعات کو نہایت سادہ اورپُر اثرانداز میں بیان کرنے کے فن پر عبور رکھتے ہیں۔ شاعر معاشرے کا حساس ترین فرد ہوتا ہے اور معاشرتی زندگی کے اُتار چڑھاؤ، خوشی وغمی اور خوشحالی و بدحالی کو محسوس کرتے ہوئے اپنے افکاروخیالات کا اظہار کرتا ہے۔میرتقی میر کی شاعری میں ہمیں اُس کے عہد کا کرب نظرآتاہے اور ناصر کاظمی کی شاعری ہجرت کی اُداسیوں اور ہولناکیوں کی غماز ہے۔اسی طرح خلیل رام پوری کی شاعری میں بھی ہمیں ایسے اشارے ملتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر اپنے معاشرے میں جڑ پکڑنے والے دہشت گردی کے ناسور سے پوری طرح آگاہ ہے اور اپنے ہم وطنوں کو ایسے شر پسند عناصر سے خبردار کررہا ہے جو اُس کے ماحول کو بارود کی بُو سے بدبودار کرنے کی سازشوں میں مصروفِ عمل ہے۔

اپنے ماحول سے ہوشیار رہو
اے لوگو!
ماچسیں بانٹ رہا ہے کوئی

شیطانوں میں[۳]

خلیل رام پوری کی شاعری میں ہمیں ناسٹیلجیا کی کیفیت بھی نظر آتی ہے۔ وہ ماضی کو یاد کرتے ہیں اور اپنے ہجر کی کڑی دھوپ کو کاٹنے کے لیے کسی مہرباں سائے کی تلاش میں سرگرداں نظرآتے ہیں مگر اُنھیں ایسا کوئی ہمدرد اور غمگسار نظرنہیں آتا جو اُن کے دُکھ بانٹ لے اور کسی شجرِ سایہ دار کی طرح اُنھیں ہجر کی تپتی دوپہر سے اماں بخشے۔ اُمید کا دامن جب ہاتھ سے چھوٹتا ہے توانسان یا تو مایوسی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں گر جاتا ہے یا حالات کا دیدہ و دلیری سے سامنا کرنے کے لیے سب سے بے پرواہ اور بے نیاز ہو کر ڈٹ جاتا ہے اور اپنی تباہ حالی کا رونا رونے کی بجائے آسودہ اور مطمئن ہو جاتا ہے تاکہ زندگی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ رواں دواں ر ہیں۔

ہجر کی دھوپ کٹے کیسے؟
کوئی سایہ بھی آس پاس نہیں
آج دل مطمئن ہے یوں جیسے
ترے ملنے کی کوئی آس نہیں[۴]

ایسا ہرگز نہیں کہ خلیل رام پوری کے ہاں کوئی یاسیت کا رویہ غالب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی شاعری میں زندگی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ فگن ہے اور وہ غمِ جہاں کی داستاں سننے اورسنانے کی بجائے کسی حکایتِ نو کو بیان کرنا زیادہ پسند کرتےہیں۔ ان کے ہاں دنیا کے غموں کو ہنس کے ٹال دینے کا رویہ ملتا ہے۔وہ غمِ جہاں ہو،غمِ یار ہوکہ تیرِ ستم سب کو اپنے کشادہ سینے پر ہنسی خوشی سہنے کی ہمت و اسطاعت رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں اس رویے کی بنیادی وجہ یہ ہے کی ان کی اپنی داستانِ حیات کوششِ پیہم اورمسلسل محنت سے عبارت ہے۔

غمِ جہاں کے لیے علاوہ کوئی حکایتِ نو
یہ غم تو روز ہی ہم ہنس کے ٹال دیتے ہیں
ابھی ہے طاقِ تمنا میں اِک دِیا روشن
ایسی اُمید میں ہم دن نکال دیتے ہیں[۵]

خلیل رام پوری کی شاعری ان کی ژرف نگاہی کی آئینہ دار ہے۔ وہ زندگی کی راہ پر چھوٹی چھوٹی باتوں سے نظربچا کر نہیں گزرتے بلکہ انھیں اپنا موضوعِ سخن بناتے ہیں۔وہ اپنے ہلکے پھلکے احساسات، معمولی

معمولی مشاہدات اور چھوٹے چھوٹے تجربات کو شعر کے قالب میں خوبصورتی سے ڈھالنے کے فن سے بخوبی آشنا ہیں۔وہ نہ تو انقلابی شاعر ہیں اور نہ ہی اپنے قاری کو فلسفیانہ موشگافیوں میں اُلجھاتے نظر آتے ہیں۔اُن کے جذبات میں تندی و شوریدگی کا سراغ نہیں ملتا بلکہ ہلکا ہلکا تلاطم ہے،جیسے کوئی خوشبودار جھونکا جھیل کی پُر سکون سطح پر دائرے پھیلا جائے۔

وہ فکر کی گہری لہروں میں بہہ جانے کی بجائے اپنے افکاروخیالات کو سُبک اورمدھم لَے میں پیش کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ فلسفیانہ مضامین کا بوجھل پن بھی ان کے ہاں لطیف اور دلکش سی شے بن جاتا ہے۔

مست ہیں ہم تو میاں اپنے بدن کی خاک میں
کیا خبر ہم کو میاں،کس کا بدن کیسا بدن
رات کی کملی کہیں اور دِن کا دوشالا کہیں
کیا لباس اپنا میاں اور کیا میاں اپنا بدن
جو بھی کچھ ارض وسما میں ہے وہ سب اِس میں بھی ہے
چلتا پھرتا اِک جہاں ہے ایک انساں کا بدن(۶)

خلیل رام پوری کی شاعری ان کی شخصیت کے جس خاص پہلو کی آئینہ دار ہے، وہ جہدِ ذات ہے۔ اُنھوں نے اپنی شاعری کا چراغ اپنے ہاتھوں سے جلایا ہے اور اِس میں اپنے خونِ جگر سے روشنائی پیدا کی ہے۔ کثرتِ مطالعہ اورمحنتِ شاقہ سے خلیل رام پوری کی شاعری میں نکھارپیدا ہوااوراُن کے عہد میں بھکر میں جو مشاعرے ہوتے رہےاُن میں وہ اپنی بہترین غزلوں سے اپنی شناخت متعین کرواتے رہے۔انہوں نے اپنی ملازمت اور بعض دیگر نجی مصروفیا ت کے باوجود مطالعے کا سفر جاری رکھا۔جس کی وجہ سے ان کی شاعری میں فکری جمالیات نکھرتی چلی گئیں۔انہوں نے دوسرے لوگوں سے کسبِ فیض کرنے یا زانوئے تلمذتہہ کرنے کی بجائے سخن کا کوہِ بے ستون اپنی محنت ِ شاقہ کے تیشے سے سر کیا اور شعروسخن کی دنیا میں سرفرازہوئے۔

آسمانِ شعر کا وہ چاندہوں جو آج تک
روشنی لینے کسی دہلیز پر اُترا نہیں(۷)

ڈاکٹراجمل نیازی خلیل رام پوری کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے

ہیں کہ :

"خلیل شاعری میں اُستادی شاگردی کے قائل نہیں ہیں۔اُن کی مثال ایک خودرَو درخت کی سی ہے جس کی جڑیں ریت کے بجائے چٹانوں میں اُتری ہوئی ہیں۔"(۸)

خلیل رام پوری کی شاعری کے فکری جمال میں یہ امر لائق ذکر ہے کہ وہ حقائق سے گریزپائی اختیار نہیں کرتے اور زندگی کی تلخ حقیقتوں کو اپنے بیان کی سادگی اورجذبے کی سچائی کو ظاہر کردیا ہے۔وہ تخیلاتی دنیا سے کہیں زیادہ حقیقی دنیا سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ان کے نزدیک کسی ماورائی وجود سے کہیں زیادہ انسانی وجود کی افادیت واہمیت ہے۔ اس لیے وہ دیوانگی میں بھی فرزانگی کی چشم وا رکھتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ انسان جب تک دوسرے اِنسانوں کے ساتھ ہمدردی اورمحبت سے پیش آتا رہا، خوشیاں اورخوشحالی سمیٹتا رہا مگر جب اُس کا دل جذبۂ ہمدردی سے خالی ہو گیا تو اس کی مثال میدانوں میں موجود خشک جھاڑیوں کی سی ہو گئی ہے۔

اب کہا ں پہلی سی ہمدردیاں
انسانوں میں
جھاڑیاں خشک ہوئی جاتی
ہیں میدانوں میں
ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہو
گے کب تک
مکڑیاں چھت سے اُتر آئیں
قلمدانوں میں
شور کرتے ہیں پرندے تو اڑا
دیتے ہیں
آدمی بند کیے جا تے ہیں تہہ
خانوں میں(۹)

خلیل رام پوری اگرچہ مکانی طور پر رام پورسے نسبت رکھتے ہیں جو ایک اعتبار سے روایتی شاعری کا مرکز رہا ہے مگر خلیل رام پوری کی شاعری میں ایک بڑی خصوصیت یہ نظر آتی ہے کہ وہ قدیم رنگ کے شاعر نہیں ہیں بلکہ اپنے فکری جمال میں عصری حیات کے رنگ بھرتے ہیں اور نئے موضوعات جدید اسلوب میں پیش کرتے ہیں۔اُن کا اسلوبِ سخن نیا اور علامتی ہے۔ ان کی اکثر غزلوں میں جدید رنگ اپنایا گیا ہے جس میں نادر موضوعات کے ساتھ ساتھ ندرتِ الفاظ بھی موجود ہے۔انہوں نے اپنے اشعار کو جدید تر بنانے کے لیے اپنے افکار کو سلیس ترین اسلوب کا روپ دیا ہے۔

وہ ہاتھ جو کہ دودھ بلوتے
ہیں صبح و شام
ان کا دعا کے واسطے اٹھنا
قبول کر
جو لوگ ما نتے نہیں میرے

وجود کو
اُن کو دماغ دے میرا ہونا
قبول کر
وہ بھی ہیں لوگ جن کیلئے
دن بھی رات ہے
ان کی نماز ان کا بھی روزہ
قبول کر(۱۰)

دورِ حاضر میں زندگی بہت پیچیدہ ہو گئی ہے۔ مشینی آلات نے احساسِ مروّت کو کچل کے رکھ دیا ہے۔ اب زندگی کو اس کے تمام تر لوازمات کے ساتھ برتنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔انسان کو اپنے وجود کی بقا کا مسلہ درپیش ہے عصرِ حاضر کا انسان اس بات سے بخوبی آگاہ ہے کے اسے اپنا چراغ روشن رکھنے کیلئے سازشی ہواؤں کا مقابلہ کرنا ہو گا۔ اسے اپنے ہونے کا ثبوت دینے کے لیئے کوئی نہ کوئی صورت نکالنا ہوگی ورنہ اس کی بقا کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ خلیل رامپوری نے عصری حیات کی اس پیچیدگی کو اپنی شاعری کے فکری عناصر کا بہ طور خاص حصہ بنایا ہے۔

جہاں بھی جاؤں یہی
بوڑھا آسماں ہو گا
مگر مجھے کوئی صو
رت نکالنا ہو گی (۱۱)

خلیل رام پوری کی شاعری کے فکری جمال میں فطرت سے پیار اساسی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ فطرتی عناصر اورماحول سے دیوانہ وار پیار کرتے ہوئے نظرآتے ہیں۔وہ تھل کے ریگستان کےباسی بنے اورپھر تمام عمر یہیں بسر کردی۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ خلیل وہ بندہِ صحرائی ہے جس نے اپنی شاعری کے ذریعے فطرت کے حسن اور اس کے مقاصد کی خوب ترجمانی کی ہے۔احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں کہ:

> ''خلیل نے فطرت اور مظاہر فطرت کے حوالے سے انسانوں اور ان کےمسائل کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔یوں اس نے دا خلیت اور خارجیت کو باہم آمیخت کر کے یک جان بنادیا ہے اورخلیل اس کیفیت کا اظہار پوری شدو مد سے کرتا ہے ''(۱۲)

خلیل رام پوری اس امر کا ادراک رکھتے ہیں کہ زندگی کی اس تیز رفتاری میں انسان کی مصروفیات میں بےتحاشا اضافہ ہو گیا ہے اور انسان کے مسائل بھی بڑھتے جارہے ہیں۔ان مسائل کو حل کرنے کے لیے انسا ن دن رات مسلسل کوشش میں ہے اسے اپنے گردوپیش کی بھی کوئی خبر نہیں وہ اپنے ہمسائے،دوست،عزیز اور بہن بھائیوں سے بیگانہ ہوتا جارہا ہے۔اسے صرف اپنی ذات اور مفاد سے دلچسپی ہے اس کے علاوہ اسے کسی چیز کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ اس کے نزدیک محبت،رواداری اور ایثار جیسی اعلیٰ اخلاقی اقدار کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔وہ رشتوں کی پہچان کھو چکا ہے۔احساسِ مروت کو مادی اشیا کی چکا چوند نے کچل کے رکھ دیا ہے۔ایک

وہ زمانہ تھا جب انسان کی پہچان اس کے علم و فضل،ہنرمندی،اچھے اخلاق اوردوسرے انسانوں کے لیے جذبۂ ہمدردی سے ہوتی تھی۔ مگر آج کے دور میں انسان کی پہچان مادی اقدارسے ہوتی ہے اور ایک صاحب ادراک فرد اس ماحول میں اجنبیت محسوس کرتا ہے۔

بستی میں ہوں تو پوچھنے
والا کوئی نہیں
جنگل میں پیڑ پیڑ مرا غم
گسار تھا(۱۳)

معاصر عہد کا بڑا المیہ ہے کہ انسان اپنی شناخت کھو رہا ہے۔کہیں اس کا سایہ اس سے دریافت کرتا ہے تو کون ہے اور کہیں وہ خود کلامی کے انداز میں اپنے آپ سے پوچھتا ہے کہ میں کون ہوں ؟ اس میکانکی دور کی بے عملی کی وجہ سے انسان کی اہمیت کم ہوتی جارہی ہے خلیل جب اس اذیت ناک صورت حال کا مشاہدہ کرتا ہے تو اسے ماضی کا وہ انسان یاد آجاتا ہے جو قوت تسخیر سے مالا مال تھا۔جو اپنے خوابوں کی تکمیل کے لیےپہاڑوں کے سینے چیر دیتا تھا۔جس کی دعاؤں میں اثر تھا اور جو ہر مقام پر اپنے ہونے کا ثبوت دیتا تھا۔انسان اس کائنات کی سب سے اہم اور بہترین تخلیق ہے۔خلیل رام پوری کے نزدیک جدید دور کا انسان مشینوں کے سامنے بے بسی کا مزار بنا ہوا ہے وہ ماضی کے انسانوں کی سطوت اور شان وشوکت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

چھوڑ دیتے تھے راستہ
دریا
آدمی کا چراغ جلتا تھا(۱۴)

خلیل رام پوری کے فکری جمال میں اپنے وطن سے بے پناہ محبت کا عنصر غالب ہے۔ان کی شدید خواہش کہ یہ دھرتی چاند ستاروں کی طرح اُجلی،چمکتی اور دمکتی نظر آئے۔ اس وطن کے مزدور اپنے دور کے کوہکن بن کر سامنے آئیں۔انھیں اپنے کسانوں سے ان تھک محنت کی اُمید ہے۔وہ آرزو مند ہیں کہ اس وطن کے دہقان اس قدر محنت اور جانفشانی سے کام کریں کہ یہ مٹی سونا اُگلے۔وہ اس بات پر قوی ایمان اور پختہ یقین رکھتے ہیں کہ اگر عام آدمی محنت اور دیانتداری سے کام کرے تو اس کے ذاتی حالات بھی ٹھیک ہو سکتے ہیں اورملک و قوم بھی ترقی کی راہ پر گامزن ہوسکتے ہیں۔وطن سے محبت کاجذبہ ہر محبِ وطن شہری کی طرح خلیل رام پوری کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہواہے۔ وہ اپنے وطن کو شمس و قمر کی اجلا اورچمکتا دمکتا دیکھنا چاہتا ہے۔

ریڑھے کھینچو، سڑکیں کوٹو،
سونا کردو مٹی کو
چاند سے زیادہ اجلا رکھو اپنے
دیس کی دھرتی کو(۱۵)

خلیل رام پوری کی شاعری کے پھل دار بوٹے نے اپنی غزل کا ذائقہ اور رس اپنے دیس ہی کی سرزمین سے حاصل کیا ہے۔وہ بھکر جیسے شہر میں رہائش پذیررہے جس کا وسیع و عریض رقبہ لق و دق صحرا پرمشتمل ہے جسے "تھل"کہتے ہیں۔ ایسے علاقے میں درختوں کی اہمیت بہت زیادہ ہوتی ہے۔درخت نہ ہوں تو آندھیاں چلتی ہیں اورگردو غبار کے بھبوکے اٹھتے رہتے ہیں جو ماحولیاتی آلودگی کاباعث بنتے ہیں۔ خلیل رام پوری کی غزلیں ان کے فکری حسن کی ترجمانی کرتی ہیں اور وہ اپنی شاعری میں درختوں،پودوں اورسرسبزوشاداب لہلہاتی فصلوں کے ذکر سے اپنی فطرتی جمال پسندی کااظہار کرتے ہیں۔

جو پیڑ اپنے لیے
گھرمیں ہم لگاتے ہیں
وہ پیڑ پھولنا،پھلنا ہمیں
سکھاتے ہیں (۱۶)

ٹھنڈ تھی ریت کے
مکانوں میں
سار بانوں میں پیار ملتا
تھا(۱۷)

خلیل رام پوری نے اپنی شاعری میں نکھار پیدا کرنے کے لیے جہدِ مسلسل کو اپنایا ہے۔وہ شاعری کو محض کارِ سخن نہیں سمجھتے بلکہ اپنے تخلیقی عمل سے عشق کی حد تک لگاؤ رکھتے ہیں۔وہ سمجھتے ہیں کہ شاعری نے انسان کی ادھوری ذات کی تکمیل کی ہے۔جس طرح عشق انسان کو تکمیل کے مراحل میں سے گزار تا ہے اسی طرح شاعری نےانسان کی شخصیت پر بڑے مثبت اثرات مرتب کرتی ہے۔شاعری نے انسانی خصوصیات کو جلا بخشی ہے۔ شاعری ہی کے طفیل زیادہ انسان اچھا بلکہ دوسروں کی نسبت بہتر انسان بننے میں کامیاب ہوتاہے۔

شاعری نے مجھے انسان
بنایا ہے خلیل
میں وہ شیشہ تھا کہ دنیا سے
چمکتا ہی نہ تھا(۱۸)

خلیل رام پوری کے شعری موضوعات کو رومانی تناظر میں دیکھیں تو وہ محبوب کو ایک بتِ بے جانتصور کر کے اس کی پرستش نہیں کرتے بلکہ اس کی نفسیات سے آگہی کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ محبوب کے سامنے خود کو کمتر نہیں سمجھتے بلکہ وہ محبوب سے برابری کی سطح پر ملتے ہیں۔محبت میں ان سے جو بھی کو تاہیاں ہوتی ہیں وہ انہیں تسلیم کرتے ہیں اور محبوب کی غلطیوں کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔وہ محبوب کو یہ احساس بھی دلاتے ہیں کہ اس کےوجود میں جو بھی خوبیاں ہیں وہ ایک شاعر کے تخلیقی جمال کی مرہونِ منّت ہیں۔

ہم نہ ہوتے تو کہاں اس میں
یہ خوبی ہوتی
ہم جو اچھے تھے تو ہوتا گیا
اچھا وہ بھی
میری ضد نے مجھے سولی
پے چڑھائے رکھا
بد گمانی کے بھنور سے نہیں
نکلا وہ بھی
شہر میں گھومتا پھرتا ہوں
بجھی آنکھوں سے
اب تو ملنے کی طرح سے
نہیں ملتا وہ بھی(۱۹)

خلیل رام پوری کو اس اعتبار سےجدید غزل کے نمائندہ شعرا میں شمار کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے غزل کو نئے معانی اورمفاہیم سے روشنا س کرانے میں اپنا بھرپور کردار اداکیا ہے۔ ان کے عہد میں بھکر جیسے دورافتادہ اورغیر معروف شہر میں بے شمار مشاعرے ہوئے اوران مشاعروں میں خلیل رام پوری نے اپنی غزلوں کے فکری جمال کی وجہ سے اپنی ایک الگ پہچان بنائے رکھی۔ انہوں نے اپنی زندگی میں اپنی شاعری کے پانچ مجموعے ترتیب دئیے۔جن کے نام "پہلا مسافر"،"روشنی کاصحرا"،"چراغ پانی میں"،"تھل کا سور ج" اور"آسمان پیروں میں "ہیں۔ان کا واحد مجموعہ کلام جو زیورِ طبع سے آراستہ ہوا وہ ان کا تیسرا مجموعہ کلام"چراغ پانی میں " ہے جو1983ء میں کالونی تھل ٹیکسٹائل ملز بھکر کے زیراہتمام شائع ہوا۔ اس مجموعے میں خلیل رام پوری کی 1962ء سے 1972ء کے درمیان کہی گئی غزلیں ہیں۔ اس مجموعۂ کلا م کے دیباچے میں ''سمندر کے جھاگ ''کے عنوان سے لکھتے ہیں :

> ''شاعری کا شوق نہ مجھے مدر سے سے ہوا اور نہ ورثے میں ملا۔عمر کے پختہ حصے میں ایک امنگ نے وجود میں انگڑائی لی اور لفظوں کے روپ میں ڈھلنے لگی اور میں شعر کہنے لگا۔مطالعہ کو عبادت کے درجے تک پہنچایااور غزل کی آج کے دور سے نبھا ہ کی صورت نکالی اور صاحبِ دیوان ہوا ''(۲۰)

خلیل رام پوری کو تھل سے بہت محبت تھی۔فطرتی حسن کی بہتات دیکھنی ہو تو ہمیں صحراؤں اورکہساروں میں بکثرت نظرآتا ہے۔انہی جگہوں پروسعتِ نظری کا بھی حقیقی احساس ہوتا ہے۔یوں محسو س ہوتا ہے کہ فطرت نے اپنے حسن کے لنگر ان بیابانوں میں جاری کردیئے ہیں۔ لق ودق صحرا کی وسعت کو اپنی قلب و نظر کی گہرائی میں سمونے والا شاعریقیناً وسیع القلب بھی ہوتا ہے اوروسیع المشرب بھی۔تھل کے ریگستانوں میں اونٹوں کی طویل قطاریں زندگی کی علامت ہیں اورصحرا کی رونق بھی۔ خلیل رام پوری ایسے مناظر سے بے حد متاثر ہوتے ہیں اوران کی طرف کھنچے چلے جاتےہیں:

ہے میرے سامنے اب بھی
قطار اونٹوں کی
کہ آج بھی مرے
صحرامجھے بلاتے ہیں(۲۱)

تھل کی ریت میں خالقِ کائنات نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ گرمیوں کی تپتی دوپہروں میں جب سورج آگ برسا رہا ہوتا ہے۔یہ جتنی بھی گرم ہوجائے رات کی تاریکی میں فوراًٹھنڈی ہوجاتی ہے اوررات کے وقت جب ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں تو موسم انتہائی خوشگوار اوردلفریب ہوجاتا ہے۔ دن کے تھکے ماندے مسافر اورمزدور بڑی پُرسکون نیند میں آرام کرتے ہیں اور صبح کے وقت موسم کی شدت کو برداشت کرنے کے لیے تازہ دم ہوجاتے ہیں۔ تھل کی یہی وہ خاصیت ہے جو خلیل رام پوری کو بہت پسند ہے اوروہ اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ:

کسی دن خلیل تم بھی مرے تھل میں
آکے دیکھو
تمہیں نیند آنہ جائے، مرے تھل کو
تھل نہ کہنا(۲۲)

فطرتی حسن سے مالا مال بھکرکے ریگزار کو خلیل نے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے پیار کیا ہے۔ وہ حدِ نظر تک پھیلے ہوئے صحرامیں موسمِ بہار کے دنوں میں جب چنے کی فصل دیکھتا ہے تو اسے چارسو ہریالی،سبزہ اورپھول ہی پھول نظرآتے ہیں۔پریوں کی مانند رنگ برنگے پھول تھل کی رونق اورپہچان ہیں۔تھل کا یہ حسن خلیل رام پوری کے فکری جمال کی آبیاری کے لیے اکسیر کاکام کرتا ہے اور وہ پکار اٹھتا ہے کہ :

جو بھی آج رونق ہے تھل کے
ریگزاروں میں
تھل کا سب کرشمہ ہے تھل کا
سب اجالاہے(۲۳)

خلیل رامپوری غالب کی طرح ایک وسیع المشرب شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے دوست احباب اور گھر والے سب خلیل کی ملنساری اوراخلاق کے گرویدہ تھے۔کسی بھی شخص کی پیدائش کے بعد اس کا نام اندازے سے رکھ دیا جاتاہے اور نام رکھتے وقت کسی کو یہ احسا س تک نہیں ہوتا کہ اس نام کا پیدا ہونے والی کی شخصیت پر کیسا اثرپڑے گا۔وقت کے ساتھ ساتھ بعض لوگوں کو قدرت ایسی سوچ اورفکر عطا کرتی ہے کہ وہ اپنے نام اوراعمال کو یک جان دوقالب بنا کے رکھ دیتے ہیں وہ ایسے اسمِ بامسمیٰ ہوتے ہیں کہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ نام صرف انہی کے لیے تخلیق ہوا ہے۔خلیل رام پوری بھی ایسی ہی شخصیت کے مالک تھے کہ انہوں نے اپنے مزدور بھائیوں،ملوں کے مالکان،حلقۂ احباب اور گھر والوں کے ساتھ حسنِ سلوک اوردوستی کا حق ادا کرتے تھے۔ ان کی شخصیت کا یہ عنصر ان کی شاعری میں بھی نظر آتا ہے اور وہ مولانا حالی کی طرح یوں گویا

ہوتے ہیں۔

سنا تھا لوگوں سے جیسا
اُسی طرح پایا
بڑی خوشی ہوئی مل کر
خلیل بھائی سے(۲۴)

خلیل رام پوری کی شاعری کا فکری جمال انسانیت اور خلق خدا سے محبت کے درس سے مرتب ہوتا ہے۔وہ انسانوں سے محبت کرنے اوران کی غمگساری کا درس دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک فرش کے مکینوں کاخیال رکھنے اوران کا دکھ درد بانٹنے سے عرش کامالک خوش ہوتا ہے اوردکھی انسانیت کی خدمت کرنے والے ہمیشہ شادوآباد رہتے ہیں۔خلیل رام پوری کے نزدیک مخلوقِ خدا کی بھلائی کے لیے چھوٹے چھوٹے کام کرنے سے انسان کو تسکین ملتی ہے اورخالقِ کائنات ایسے شخص کے لیے آسانیاں پیدا کرتا ہے اور اس کی جھولی خوشیوں سے بھر دیتا ہے۔ان کے نزدیک دوسروں کی مشکلات کو کم کرنے کے لیے اپنی توانائیوں کوصرف کرنا زندہ دلی کی علامت ہے اورایسا انسان جودوسروں کے کام آئے اس کی اپنی شخصیت میں تسکین کا پہو نمایاں ہوتا ہے۔

رستے میں تنکادیکھو تو
وہ بھی ہٹا دو
ایسا کرنے سے انسان
سکھی رہتا ہے(۲۵)

خلیل رام پوری کی شاعری میں انسانیت سے انس کے باعث خدمتِ خلق کا درس بھی ملتا ہے۔وہ انسان کو اشرف المخلوقات اوراس مرکزِ کائنات سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس جہاں کی چہل پہل ساری کی ساری حضرتِ انسان کے دم قدم سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا نائب اورخلیفہ بنا کر اس دنیا میں بھیجا ہے اورسارے گل و گلزار اس کی دل بستگی کے لیے ہیں۔

یہ خلیل رام پوری کا فکری جمال ہے کہ وہ ساری کائنات میں موجود مخلوقات میں سے اللہ کی احسن تخلیق کی عظمت کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک ہر اک شے کا وجود صرف انسان کی وجہ سے اہمیت رکھتا ہے۔ دھرتی پر سجنے والے باغ،باغیچے اور ساری رونقیں ہم انسانوں کی وجہ سے معانی رکھتی ہیں ورنہ ان کا ہونا اورنہ ہونا ایک برابر ہے:

میری خاطر دھرتی پر
گلزار سجے ہیں
میری خاطر پتھر میں
کیڑا زندہ ہے(۲۶)

خلیل رام پوری کی شاعری میں ہمیں رجائی نقطہ نظر ملتا ہے۔وہ حالات کی ستم ظریفی کا رونا رونے کی بجائے وہ اپنے قاری کو شکر کرنے کی ترغیب دیتےہیں۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اکثراوقات زندگی کے مسائل کاعفریت ایسا منہ زور ہوجاتا ہے کہ اچھے خاصے مرفہ الحال لوگوں

کی زندگی بھی اجیرن کر کے رکھ دیتا ہے۔ خلیل چونکہ مل میں کام کرتے تھے اورملوں کے مزدوروں کا ساتھ ان کا تعلق بہت گہرا تھا۔ اس لیے اکثر اوقات مزدور انہیں اپنی غربت کاحال سناکر اپنی پریشانیوں میں شریک کرلیتے تھے۔ ایسے حالات میں خلیل انہیں اپنے فکری حسن سے اچھے دنوں کی نوید بھی سناتے اور موجودہ حالات کاسامنا کرنے کے لیے حوصلہ افزائی بھی کرتے تھے:

شکر کرو بھائی کہ گاڑی
چل تو رہی ہے
وقت برا ہے یا اچھا کٹ
تو رہا ہے(۲۶)

خلیل رام پوری کے ہاں ہمیں اس معاشرتی المیے کی عکاسی ملتی ہے کہ جب کوئی فرد اپنی محنت اورکوشش سے اپنے حالات بدلنے کی کوشش کرتا ہے اوراندھیروں کی چادر تار تارکر کے روشنی میں آتا ہے تو اسے متفرق حاسدانہ رویوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کوئی شخص کامیابی کے زینے طے کرتے ہوئے بامِ عروج پر پہنچتا ہے تو اس کے قریبی دوست اوررشتے دار اس سے ایسے خفا ہوتے ہیں جیسے یہ کامیابی اس نے ان کے حق پر ڈاکہ ڈال کر حاصل کی ہو۔وہ حسد کی آگ بھی چلتے رہتے ہیں اورحتی المقدور کوشش کرتے ہیں کہ ان کا عزیز ایک بار پھر زوال پذیر ہوجائے اور ان کے کلیجے میں ٹھنڈپڑ جائے:

کس کے خلاف پیٹیں ہم ڈھول
دشمنی کا
اپنوں نے ٹانگ کھینچی جب
روشنی میں آئے(۲۸)

شاعرکا اپنے معاشرے سے اثر پذیر ہونا لازمی امر ہے اوریہ ایک بہت بڑی معاشرتی سچائی ہے کہ ہم ایک ایسے ماحول میں زندگی بسر کررہے ہیں جہاں پر ہمیں ہر اس شخص میں خوبیاں نظرآتی ہیں جس سے ہماراربط ضبط ہوتا ہے اور ہم اس کے اوصافِ حمیدہ گنواتے نہیں تھکتے مگر جب تعلق ٹوٹ جاتا ہے تو ہمارا رویہ قطعی طور پہ مختلف ہو جاتا ہے۔خلیل ہمارے اس معاشرتی المیے پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

کہہ کر کسی کو چاندنہ
پھر اس پہ خاک ڈال
کل تک اگر بھلا تھا تو
اچھا ہے آج بھی(۲۹)

خلیل رام پوری ان کی جہدِ ذات اور تجربات کی عکاس ہے۔انھوں نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا۔ وہ ملازمت پیشہ لوگوں کے مسائل سے بخوبی آگاہ تھے اوران کے آلام و مصائب اچھی طرح سمجھتے اوربہت قریب سے جانتے تھے۔ہمارے ہاں غریب مزدور ہمیشہ سے سرمایہ داروں کے رحم وکرم پر رہے ہیں اوربندہِ مزدور کے حالات بہت تلخ ہیں۔صنعت

کار،وڈیرے،جاگیردار اورسرمایہ دار ہمیشہ ہی سے مزدوروں اورغریبوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے آئے ہیں۔یہاں بے چارہ غریب،غریب تر اورامیر،امیر تر ہوتا جارہاہے۔سرمایہ داروں کی تجوریوں کوبھرتے بھرتے مفلوک الحال مزدوروں کی ہڈیوں کا سرمہ بن جاتا ہے مگرپھر بھی امیروں کو ان غریبوں کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی اورنہ ہی انھیں ان کے حالِ زار پر رحم آتا ہے۔ خلیل رام پوری اگرچہ ملوں میں سوشل سیکورٹی آفیسر تھے مگر پھر بھی انہوں نے ہمیشہ غریب مزدوروں کا ساتھ دیا۔مزدوروں کے احتجاج کے دوران بھی وہ ان کے ساتھ کھڑے ہوتے اوران کی بھرپورحمایت کرتے۔انہوں نے اپنی ساری زندگی غریب طبقہ کے لوگوں کی زندگیوں کو اجاگر کرتے اوران کی پریشانیوں کوکم کرنے میں اپنا کردار بھرپوراوراحسن طریقے سے ادا کیا:

میں نوکر ہوں مالک کو
کیسے سمجھاؤں
سورج کی چھاتی پر کس نے
پاؤں دھرا ہے(۳۰)

خلیل رام پوری کی شاعری میں حقیقت پسندی کی تلخی کے باوجود دلکشی ہے۔ وہ بڑے خوبصورت اندازمیں اخلاقیات کی تعلیم بھی دیتے جاتے ہیں اور شاعرانہ فنکاری بھی دکھاتے چلے جاتے ہیں۔ ان کے ہاں فلسفیانہ بوجھل پن ہے اور نہ ہی بارِ نصیحت۔وہ معاشرتی برائیوں کی نشاندہی کرتے ہیں اوران کی بیخ کنی کے لیے ایک طنزیہ نشترچلاتے ہیں لیکن اپنے شعر کو دل پذیر بھی بناتے ہیں اور اسی دلپذیراندازمیں معاشرے میں سرایت کرجانے والی اس برائی کا اظہار کرتے ہیں:

سفرمیں یہ بھی وہ احسان
کرتا جاتا ہے
برائیوں سے مرے کان بھرتا
جاتا ہے(۳۱)

خلیل رامپوری نے اپنی حقیقت پسندی کی وجہ سے اپنے افکاروخیالات کو حقیقت سےبھی قریب تررکھا۔ اس لیے ان کی شاعری میں بھی حقیقی رنگ نمایاں نظرآتا ہے۔

زخم کو پھول کیوں کہوں
لوگو
زخم میں پھول کی سی
باس نہیں(۳۲)

خلیل رام پوری مذہبی آدمی نہیں تھے۔ انہوں نے مذہبی موضوعات پر خامہ فرسائی بھی نہیں کی۔حقیقت میں ان کا مذہب انسانیت تھا اور وہ انسانوں سے محبت کرنے والے تھے۔ ہمیشہ انسانیت کا پرچم سربلند کیے رکھا۔ اس کا ایک عکس ان کے ایسے اشعار میں بھی نظر آتا ہے جن کا پس منظر واقعہ کربلا ہے۔اردو کے بیشتر شاعروں نے اپنے اپنے اندازمیں واقعہ کربلا کے

موضوع پرشعر کہے ہیں۔مگر خلیل کے نہایت اچھوتے اورمنفرد انداز میں میں اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ خلیل نے اتنے وسیع وعریض موضوع کو جس کے اوپر شاعری کے دفتر پردفتر موجود ہیں۔ یوں سمیٹا ہے کہ دریا کو کوزے میں بند کر کے رکھ دیا ہے۔ خلیل نے اس واقعہ کونہ تو مذہبی شدت پسندی کے نقطہ نظر سے دیکھا اورنہ ہی تفرقہ بازی کے اندازمیں لیا۔انہوں نے انسانیت پر انگلی اٹھائی اور دو مصرعوں کے اندراپنے فکری جمال کی وہ اپج دکھائی ہے کہ باذوق قاری انہیں پڑھ کر انگشت بدانداں ہوجاتا ہے اوربار بار سردھنتا ہے۔ خلیل کے فکری حسن نے اس واقعہ کربلا کے تناظرمیں انسانیت کو ہی کٹہرے میں لاکھڑا کیا ہے۔

تاریخ کربلا پر بھی تم
بھی خلیل بولو
میں تو یہی کہوں گا انسان
مرگئے تھے(۳۳)

خلیل رام پوری کی شاعری میں زمانے کے عروج وزوال اوردنوں کے الٹ پھیر کی کہانی بھی ملتی ہے۔یہ بات مشاہدے کی ہے اورتاریخ کی کتابوں سے روزِروشن کی طرح عیاں ہے کہ زمانے کے حالات بدلتے دیرنہیں لگتی۔آج بابل و نینوا کی تہذیبوں کے اثرات ہمیں کھنڈرات کی شکل میں ملتے ہیں جنہوں نے ایک دور انسانوں کو رہنے سہنے، اٹھنے بیٹھنے،کھانے پینے اورسونے جاگنے کے اصول بتائے اورطورطریقے سکھائے۔ فراعین مصر کے عروج کی داستانیں آج بھی ان کے محلات شاہی کی ویرانی سے دیکھی اور سنی جاسکتی ہیں۔ قیصروکسریٰ کی شان وشوکت کی کہانیاں تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہو کر رہ گئیں ہیں۔زمینِ چمن نے کیا کیا گل کھلائے ہیں کہ سلطنتِ روم و شام کے تاجور بے نشاں ہو کر رہ گئے ہیں۔ دارا اورسکندر کی قبروں کے نشان تک مٹ گئے ہیں جہاں پر باغ، باغیچے اوربہاریں تھیں، وہاں پر چیونٹیوں نے اپنے ڈیرے ڈال رکھے ہیں اورجہاں پر رونق بازار اوراونچی اونچی عمارتیں تھیں وہاں پر بگولے رقص کناں ہیں۔

یہ قانونِ فطرت اورکارخانہ قدرت ہے کہ خالق کائنات ہنستے بستے شہروں کو بیابانوں اورویرانوں میں تبدیل کردیتا ہےا ور بے آوازلق و دق صحرااور بنجر زمینوں کو گل و گلزار بنا کے شادابی اورتازگی عطا کر دیتاہے۔اس جہاں میں ایسی بہت ساری جگہیں ہیں جہاں پر بڑی بڑی آبادیاں اورپررونق شہر تھے۔ لوگ اپنامالِ تجارت لے کر ان جگہوں پر جاتے اورخوب خریدو فروخت کے بازار گرم رہتے مگر آج ان شادوآباد جگہوں پر نہ کوئی چشمہ ہے اورنہ کوئی شہربلکہ ایسی ویرانی اوردشت کی تنہائی ہے جیسے ازل سے یہ ویرانہ یونہی وحشت کی آماجگاہ رہا ہو:

جہاں آبادیاں تھیں اب
وہاں پر
نہ چشمہ ہے نہ کوئی

گاؤں یارو[۳۴]

خلیل رام پوری کے فکری سفر میں کسی مردِکامل کی تلاش بھی نظرآتی ہے۔ان کے نزدیک ایک مثالی انسان یا رہبر روہنما عام لوگوں کی تقدیر بدل رکھ دینے کی صلاحیت سے مالا مال ہوتا ہے۔ دنیا میں آج تک جتنے بھی کارہائے نمایاں سرانجام دے گئے ہیں وہ ایسے ہی بے نظیر لوگوں نے سرانجام دیئے ہیں جن کا ہمسر کوئی ان کے زمانے میں نہیں تھا۔ دنیا کی چہل پہل اور رونق بھی ان لوگوں کے دم قدم سے جنہوں نے سرپر کفن باندھ کر اپنے ملک و قوم کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بیچ منجدھار سے نکال کر ہمکنار ساحل کیا ہے۔ ہر دورکی شاعری میں ہمیں کسی مسیحا کی تلاش نظرآتی ہے۔ جو زمانے کی رونق کو دوبالا کرنے اورمعاشرے کی مردہ رگوں میں زندگی کی رمق پیدا کرتےہمت اوراستطاعت رکھتا ہو۔ خلیل بھی کسی ایسے مردِحق کی تلاش میں نظر آتے ہیں جو بے خطر آتش نمرود میں کود پڑے،جس کی آرزو مندی کی وجہ سے طورپر خدا کے نور کی تجلیات برسیں اور جو زمانے کی گردش کا پہیہ گرما کے رکھ دے۔

چراغِ طور ٹھنڈا ہوتا
جا رہا ہے
پکارو کوئی موسیٰ کو
پکارو[۳۵]

خلیل رام پوری نے اپنی شاعری میں حرکت وعمل اورکوشش ِ پیہم کادرس دیا ہے۔ ان کی اپنی ساری زندگی بھی محنت و مشقت سے عبارت ہے اور ان کے فکری زاویے بھی انسانوں کو گے بڑھنے، ہمت سے کام کرنے اورمسلسل محنت کرنے کی ترغیب دیتے نظرآتے ہیں۔ انسان اگر محنت کو شعار زندگی بنالے تو وہ جو چاہے حاصل کر سکتا ہے۔ محنت اورکوشش سے خزف ریزوں میں بھی ہیرے کی چمک دمک پیدا ہوجاتی ہےجو لوگ ناکامیوں کے گرداب سے نکلنا چاہتے ہیں وہ حرکت و عمل کواپنا شعار بنا لیتے ہیں پھر حالات جیسے بھی ہوں ان کے لیے آسانیاں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں۔زندگی کے راستے پر چلتے ہوئے چھوٹی چھوٹی تکالیف اورپریشانیوں سے گھبرا کے ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتایہاں پر آگے بڑھ کر اپنے مقدر اورنصیب کو خود لکھنا پڑتاہے۔آگے بڑھنے اورہمت وحوصلے سے کام لینے والے زندگی کے کوہِ گراں کو بڑی سبک رفتاری سے سر کیا اوراپنی منزل پر پہنچ گئے جبکہ بے حوصلہ،کاہل اورسستی کے شکار لوگ اپنے لیے دشواریاں پیدا کرتے ہیں بلکہ اپنے عزیزواقرباکے لیے بھی مشکلات کھڑی کرتےہیں۔اس جہان کی زندگی حرکت اورکوششِ پیہم سے عبارت ہے۔ کامیابی انہی لوگوں کے قدم چومتی ہے جو مسلسل کام کرتے ہیں اوربے عمل لوگ تو زمانے کی رواروی میں مارے جاتے ہیں۔ گمنامیاں ان کے مقدر اورنصیب میں لکھ دی جاتی ہے اور وہ ہمیشہ اپنے نصیب کو کوستے اورروتے پیٹتے رہتے ہیں۔

خلیل رام پوری کے نزدیک عمل سے زندگی کی رونقیں عبارت ہیں

اور بے عملی سے جمود اورموت کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔وہ انسان کو اپنے مقصد کے حصول کے لیے دریاؤں،صحراؤں اورسمندروں کوپار کرنے کی ترغیب دیتے نظراتے ہیں۔ان کے نزدیک باعمل انسان کے ہاتھ میں گردشِ صبح وشام ہوتی ہے۔

دریاؤں کو پارکر،صحراؤں
کو مات کر
گردش صبح شام کی لے کر
چل تو ہات میں(۳۶)

خلیل رام پوری کے ہاں خودی اورخودداری کااحساس ملتا ہے۔ وہ جہد اور کاوش کو عبادت کادرجہ دیتے ہیں اور وہ بڑے ہی خوبصورت اندازمیں یہ حقیقت آشکار کرتے ہیں کہ کام پرجانے سے پہلے پاک صاف اورستھرے کپڑے زیب تن کرتے ہیں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ ملازمت یا کام کےلیے اپنے دفتر جانا عبادت سے کسی طورپر بھی کم نہیں ہے۔ یہ فکری جمال خلیل کی شاعری کو وہ حسن عطا کرتا ہے کہ اس کی غزل کی دلکشی کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔

پہن رہاہونوہ کپڑے جو
صاف ستھرے ہیں
کہ کم نہیں ہے عبادت سے
وقت دفتر کا(۳۷)

انسان زمین پر ایک توانا وجود ہےلیکن اس کے باوجود جب وہ بے بس اوربیکس ہوجاتا ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہے تاکہ اس کے بے قرار دل کو قرار آجائے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے دستِ سوال درازکرنے یعنی دعا کرنے سے انسان کی پریشانیوں میں کمی واقع ہوجاتی ہے۔ مگر یہ ضروری بھی نہیں کہ انسان کی ہر دعا پوری ہو۔ خالقِ کائنات بے نیاز چاہے تو انسان کی دعاقبول کرے چاہے رد کر دے۔ بعض اوقات وہ اپنے بندے پہ کرم نوازی کیوں کرت ہے کہ اس کی دعا فوراًقبول کرتا ہے اورکبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ چاہتا ہے میرا بندہ میرے رب سے ناواقف ہوتے ہوئے گلے شکوے پر بھی اتر آتے ہیں اور پاک پروردگار سے شکوہ کرنے بیٹھ جاتے ہیں کہ تری رحمتیں اغیار کے کاشانوں پر تو برستی ہیں اور ہمارے لیے تو بس محرومیاں اورنامرادیاں ہیں۔ کبھی ہمارے شکوے کاانداز کچھ اس طرح کا ہوتا ہے کہ میر ی ریاضت نیم شب کو جو سلیم صبح نصیب نہیں ہورہی تو ا س کا مطلب یہ ہے کہ جن کی دعائیں قبول ہوتی ہیں ان کےلئے خدا کوئی اورہے اور جو میری طرح ساری ساری رات مناجات کرتے رہتے ہیں ان کے لیے خدا کوئی اور ہے۔ خلیل کے ہاں بھی ہمیں بعض اوقات کچھ ایسے گلے شکوے ملتے ہیں جو ان کے خدا پر یقین اورایمان کی مضبوطی کی عکاسی کرتےہیں:

آتا نہیں قرار کیوں دل کو دعا
کے بعد بھی

کیا کوئی اور ہے خدا میرے خدا
کے بعد بھی(۳۸)

خلیل رام پوری کی شاعری کا فکری جمال یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کا سرمایہ سخن معاصر عہد کے تقاضوں کا عکاس ہے۔ ان کی غزلوں کے آئینے میں ان کا عہدجھلکتا ہے۔انھوں نے اپنے اطراف و جوانب میں جو بھی اچھا یا برا دیکھا، اسے نہایت قرینے کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

خلیل رامپوری نے اردو غزل کی روایت سے استفادہ کرتے ہوئے اسے نیا رنگ و روپ دیا ہے۔اگرچہ کہیں کہیں لطافت کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے اور اشعار سپاٹ اور بے رس ہوگئے ہیں لیکن جو عنصر انھیں ہم عصر غزل گو شعرا سے ممتاز کرتا ہے وہ اس کا روایت سے ہٹا ہوا رویہ ہے۔وہ لگے بندھے مضامین پر قناعت نہیں کرتے بلکہ وہ انہیں یکسر مسترد کر دیتے ہیں۔ وہ اپنے لیے فکر کےنئے راستے کھوجتےہیں۔ان کے فکری جمال میں زندگی کا دائرہ اپنے پورے محور کے ساتھ نظر آتا ہے جس میں غمِ ذات بھی ہے اور دردِ کائنات بھی۔ انھوں نے زندگی کے خارجی مظاہر کی عکاسی بھی کی اور فکری مسائل پر بھی غور کیا۔ ان کی غزل ان کی ذاتی زندگی کی بھی آئینہ دار ہے لیکن انھوں نےاپنے معاصر فرد کو بھی فراموش نہیں کیا۔ یہی وہ جامعیت ہے جو ان کے فکری جمال کا خاصا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ شکیب جلالی ''فنون''،لاہور،شمارہ ۱۰اگست ۱۹۶۶، ص ۳۲۳
۲۔ منشاپانی پتی،خواجہ قریش علی"خورشیدِسخن" لاہور، پاکستان ٹائمز پریس، ۱۹۸۰ء،ص ۹۲
۳۔ خلیل رام پوری،" چراغ پانی میں"، لاہور، منظور پریس، ۱۹۸۳ء،ص ٦٧
۴۔ '' پہلا مسافر'' (غیر مطبوعہ مسودہ، مملوکہ راقم)، ص ۳۴
۵۔ ایضاً،ص٧٢
٦۔ '' آسمان پیروں میں'' (غیر مطبوعہ مسودہ، مملوکہ راقم)، ص ٦٧
٧۔ "چراغ پانی میں" ایضاً،ص ۳۰
۸۔ اجمل نیازی، " جل تھل"، لاہور،وفاق پرنٹنگ پریس، ۱۹۸۰،ص ۳۹
۹۔ "چرا غ پانی میں"، ص٦٧
۱۰۔ ایضاً،ص ۸،۹
۱۱۔ چراغ پانی میں، ص۲۵
۱۲۔ احمد ندیم قاسمی،تبصرہ کتب،سہ ماہی'' فنون''، جون جولائی ۱۹۸۴، ص ۳۱۵
۱۳۔ "چراغ پانی میں" ایضاً،ص ۳۲
۱۴۔ ایضاً،ص ٥٦
۱۵۔ ایضاً،ص ۳۸
۱٦۔ ایضاً،ص۱۰۴
۱٧۔ ایضاً،ص ٥٦
۱۸۔ ایضاً، ص۲۸

۱۹۔ ایضاً، ص ٦٨
۲۰۔ خلیل رام پوری، "سمندر کے جھاگ "(دیباچہ: مجموعہ کلام چراغ پانی میں)، لاہور،منظور پریس، ۱۹۸۳ء
۲۱۔ "چراغ پانی میں" ص۱۰۳
۲۲۔ "تھل کا سورج"(غیر مطبوعہ مسودہ، مملوکہ راقم) ۴۵
۲۳۔ "آسمان پیروں میں"(غیر مطبوعہ مسودہ، مملوکہ راقم) ٦٥
۲۴۔ "چراغ پانی میں"ص۹۷
۲۵۔ ایضاً،ص۳۵
۲٦۔ ایضاً،ص۳٦
۲۷۔ ایضاً،ص۳٦
۲۸۔ ایضاً،ص۳۴
۲۹۔ ایضاً،ص۱۲
۳۰۔ ایضاً،ص۳۵
۳۱۔ "آسمان پیروں میں"(غیر مطبوعہ مسودہ، مملوکہ راقم) ۳۴
۳۲۔ "پہلامسافر"(غیر مطبوعہ مسودہ، مملوکہ راقم) ۳۸
۳۳۔ "آسمان پیروں میں"(غیر مطبوعہ مسودہ، مملوکہ راقم) ۴۵
۳۴۔ "پہلامسافر"(غیر مطبوعہ مسودہ، مملوکہ راقم) ۳۲
۳۵۔ ایضاً، ۲۸
۳٦۔ "چراغ پانی میں"ص۳۴
۳۷۔ ایضاًص۴۷
۳۸۔ ایضاًص۴۸